اسلام کا قانونِ اسیر انِ جنگ:
مولانا مودودی کے موقف کا تحقیقی جائزہ

مراد علی ۞

اسلام کا قانونِ اسیر انِ جنگ ہم عصر دنیا میں کئی زاویوں سے موضوعِ سخن بنایا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں جدید بین الاقوامی قانون اور اسلامی قانون بھی کئی امور میں مختلف نقطہ ہائے نظر کے حامل ہیں۔ بعض اہلِ قلم دونوں کے درمیان مصالحت پیدا کرنے کے لیے اسلامی قانون پر سوالات اٹھاتے ہیں، جس کی زد اسلامی قانون کی بہت اہم دفعات پر پڑتی ہے؛ تاہم زیرِ نظر مسئلے پر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء- ۱۹۷۹ء) نے مختلف تحریروں میں متعدد پہلوؤں سے اپنے اچھوتے اندازِ بیان میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ مولانا مودودی کی اجتہادی بصیرت، عصری آگہی اور مؤثر اسلوب نے بہت مربوط انداز میں اس مسئلے کو پیش کیا ہے، بالخصوص غلامی کے مسئلے پر آپ کی تحریریں متکلمانہ اسلوب کے بہترین نمونے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے بالترتیب، **الجہاد فی الاسلام**، **تفہیمات حصّہ دوم**، **رسائل و مسائل حصّہ دوم**، **اسلامی ریاست**، **قادیانی مسئلہ**، **تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ**، **تفہیم القرآن**، **تصریحات**، **تفہیمات حصّہ چہارم** میں مختلف پہلوؤں سے اسیر انِ جنگ کے مسئلے پر کلام کیا ہے۔ مولانا نے معروضی اور تفصیلی بحث سورت محمد کی تفسیر میں کی ہے۔ اسلام کے قانونِ اسیر انِ جنگ کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر اپنے دور کے جدید بین الاقومی قانون کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ زیرِ بحث موضوع میں غلامی کا مسئلہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مابعدِ استعمار دور میں اس پر کافی بحثیں ہوتی رہی ہیں، بعض مسلمان اہلِ قلم نے اس پر بہت معذرتیں پیش کی ہیں۔ مولانا مودودی نے اس پر تفصیلی کلام کرکے واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل غلامی کی کون سی صورتیں رائج تھیں، اور انھوں نے کس طرح ان تمام صورتوں کا راستہ مسدود کرکے مخصوص حالات میں جنگی قدیوں کے ساتھ خاص سلوک کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تاریخ انسانیت میں پہلی بار اس عمل کو موقوف کردیا۔ البتہ ایک صورت میں غلامی کو باقی رکھا گیا، اور اس کو مستقل ممنوع نہ کردینے میں بہت حکمتیں پوشیدہ تھیں، لیکن غلامی کا یہ تصوّر اس سے بہت مختلف تھا جو قبل از بعثتِ نبوی ﷺ میں، یا آپ ﷺ کے ہم

۞ ریسرچ سکالر، شعبہ سیاسیات و بین الاقوامی تعلقات، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔ (murad7779@gmail.com)

عصر بڑی تہذیبوں میں رائج تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کو وہ حقوق عطا کیے جو اپنی جگہ بے نظیر ہیں۔ اس کے ساتھ مولانا کی تحریروں کی روشنی میں غلامی کے جواز پر بھی اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی۔ اسیر انِ جنگ کے متعلق فقہا مسلمانوں کے حکم ران کے لیے مختلف اختیارات کے جواز پر بحث کرتے ہیں۔ مولانا مودودی اپنی تحریروں میں ان کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں۔ تاہم چوں کہ زیرِ بحث مسئلے پر مولانا کی تحریریں ایک خاص تناظر اور سیاق میں لکھی گئی ہیں، اس لیے اس سے پوری تصویر سامنے نہ آنے کی وجہ سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں اور اس سے بعض اوقات محققین بھی محفوظ نہیں رہتے۔ زیرِ نظر مضمون میں بنیادی طور پر اسیر انِ جنگ کے متعلق مولانا مودودی کے نقطۂ نظر کا تعیّن کرنے کے ساتھ فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

غیر مقاتلین قیدی- السبی

اسیر انِ جنگ کو فقہا دو بڑی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: السبی اور أسری۔[1] السبی غیر مقاتلین(Non Combatant) ہوتے ہیں جس کو معاصر بین الاقوامی قانون میں Internees کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم أسری ہے جو مقاتلین(Combatants) ہوتے ہیں، ان کو بین الاقومی قانون میں Prisoners of War سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تاہم اسلامی قانون میں دونوں کے احکام مختلف ہیں، اسی طرح بین الاقوامی قانون بھی دونوں میں فرق کرتا ہے۔[2] لیکن مولانا مودودی کی تحریروں میں مقاتلین اور غیر مقاتلین کا فرق نظر نہیں آتا۔[3] آپ کی تحریروں میں زیادہ تر بحث أسری کے متعلق کی گئی ہے اس وجہ سے دوسری قسم کو چھوڑ کو

۱- محمد مشتاق احمد، **جہاد، مزاحمت اور بغاوت: اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کی روشنی میں** (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، اکتوبر ۲۰۱۶ء)، ۴۷۵۔

۲- مقاتلین کے بارے میں بین الاقوامی قانون کے قواعد وضوابط جنیوا کے تیسرے معاہدے میں مذکور ہیں:

Convention (III) Relative to the Treatment of Prisoners of War. Geneva, 12 August 1949.

جب کہ غیر مقاتلین کے قواعد وضوابط چوتھے جنیوا معاہدے میں درج ہیں:

Convention (IV) Relative to the Protection of Civilian Persons in Time of War. Geneva, 12 August 1949.

۳- مولانا کی تحریروں میں صرف ایک مقام پر دونوں، أسری اور سبایا، پر بحث کی گئی ہے، لیکن دونوں کے مختلف ہونے پر تفصیلی بحث نہیں کی گئی۔ (سیّد ابو الاعلیٰ مودودی، **الجہاد فی الاسلام** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۱۱ء)، ۲۵۵-۲۵۶)۔

پہلی قسم سے بحث کا آغاز کرتے ہیں:

مقاتلین قیدی: أسری

اسیر انِ جنگ کے متعلق بنیادی قاعدہ ہے کہ ان کا معاملہ حکمِ حاکم پر منحصر ہے۔[۴] فرماں روا مسلمانوں کے مفاد میں جو فیصلہ بہتر سمجھے وہی نافذ کرے گا۔ امام چاہے تو مرد قیدیوں کو قتل کر دے، ان کو زندہ چھوڑ دے، غلام یا ذمی بنا دے، فدیہ لے کر رہا کر دے یا فدیے کے بغیر رہا کر دے، حکم ران ان اختیارات میں جو بھی مسلمانوں کے اجتماعی مفاد میں بہتر سمجھے، وہ اسی کا مجاز ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۰۹ء–۱۰۹۰ء) تصریح کرتے ہیں:

وللامام أن يقتل الرجال من الأسارى وله أن يستبقيهم ويقسمهم بين الجند ينظر أي ذلك خيرًا للمسلمين فعله لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل سبي بني قريظة وقسم سبايا أوطاس فعرفنا أن كل ذلك جائز والإمام نصب ناظرا فربما يكون النظر في قتلهم لمعنى الكبت والغيظ للعدو وليأمن المسلمون فتنتهم وربما يكون النظر في قسمتهم لينتفع بهم المسلمون فيختار من ذلك ما هو الأنفع ولهذا لا يحل للمسلمين قتلهم بدون رأي الإمام لأن فيه افتياتا على رأيه إلا أن يخاف الآسر فتنة فحينئذ له أن يقتله قبل أن يأتي به إلى الإمام وليس لغير من أسره ذلك لحديث جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يتعاطى أحدكم أسير صاحبه فيقتله وإن كان لو قتله لم يلزمه شئ لأن الأسير ما لم يقسم الإمام مباح الدم بدليل أن للإمام أن يقتله وقتل مباح الدم لا يوجب ضمانه.[۵]

(امام کو یہ حق حاصل ہے کہ مرد قیدیوں کو قتل کرے اسی طرح یہ بھی حق اس کو حاصل ہے کہ انھیں زندہ رکھ کر مسلمان سپاہیوں میں تقسیم کرے۔ (کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے) یہ دیکھے کہ کون سا پہلو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید ہے۔

۴– وللإمام رأي فی قتل الأسير وتركه۔ ابو بکر محمد بن احمد ابی سہل الرخسی، **شرح كتاب السير الكبير** (بیروت: دارالكتب العلمية، ۱۹۹۷ء)، باب من يكره قتله من أهل الحرب ومن لا يكره، ۴: ۲۰۳؛ صاحبِ ھدایہ نے بھی حکم ران کے اختیار کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: برہان الدین المرغینانی، **الهداية شرح بداية المبتدي**، باب الغنائم وقسمتها (مصر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي وأولاده)، ۲: ۱۴۱۔

۵– ابو بکر محمد بن احمد ابی سہل السرخسی، **كتاب المبسوط** (بیروت: دار المعرفة للطباعة والنشر، ۱۹۷۸ء)، باب ماأصيب في الغنيمة مما كان المشركون أصابوه من مال المسلم، ۱۰: ۶۳–۶۴۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے قیدیوں کو قتل کیا تھا اور اوطاس کے قیدیوں کو رہا کیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ امام کا تقرر (رعایا) کی دیکھ بھال کرنے والے کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ پس بسا اوقات مصلحت دشمنوں کے غیظ وغضب میں اضافے کے لیے قیدیوں کو قتل کرنے میں ہوتی ہے نیز ایسی صورت میں مسلمان بھی ان کے فتنے سے محفوظ رہ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات فائدہ اسی میں ہوتا ہے کہ انھیں زندہ چھوڑ کر مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ تو امام ان دو صورتوں میں زیادہ فائدہ مند صورت کو اختیار کرے۔ اس بنیاد پر امام کی رائے کے بغیر کسی کے لیے ان کو قتل کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ امام کا حق رائے ہتھیانے کے مترادف ہے، ہاں اگر قید کرنے والے مسلمان سپاہی کو یہ خوف لاحق ہو کہ امام تک اس قیدی کو پہنچانے سے قبل ہی شاید خود اس مسلمان کو قتل کرے گا تو ایسی صورت میں صرف قید کرنے والے سپاہی کے لیے، نہ کہ کسی اور سپاہی کے لیے، قیدی کو امام کی رائے کے بغیر قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی وجہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی سپاہی اپنا قیدی قتل کرنے کے لیے دوسرے کو نہ دے۔ اگر کسی نے (امام کی اجازت کے بغیر) قیدی کو قتل کیا تو اس کے ذمے کچھ بھی واجب نہیں؛ کیوں کہ امام کی تقسیم سے پہلے قیدی مباح الدم ہوتا ہے؛ دلیل اس کی یہ ہے کہ امام کے لیے بھی اس کا قتل جائز ہے اور مباح الدم کے قتل کے نتیجے میں کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔)

رسول اللہ ﷺ نے بالعموم اسیر انِ جنگ کو قتل کرنے سے اجتناب کیا ہے اس لیے اس کو حد قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ سزا سیاستہً دی جاتی تھی۔[۶] اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسیر کا معاملہ امام کی صواب دید پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بالعموم جنگی قیدیوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا ہے یعنی آپ ﷺ نے کبھی کبھار قیدیوں کو قتل کیا ہے، اس لیے افضلیت کا درجہ قتل نہ کرنے کو حاصل ہے، لیکن احسان کے علاوہ دیگر سزاؤں کے نظائر بھی موجود ہیں اس لیے جنگی قیدی کو قتل کرنے یا غلام بنانے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریروں میں یہ قاعدہ مانا ہوا ہے کہ اسیر انِ جنگ کا معاملہ حکمِ حاکم پر ہی منحصر ہے۔[۷]

۶۔ جہاد مزاحمت اور بغاوت، ص ۴۸۰۔ سیاسۃ کے تصور پر مزید تحقیق کے لیے دیکھیے:

Muhammad Mushtaq Ahmad, "The Doctrine of Siyasah in the Hanafi Criminal Law and its Relevance for the Pakistani Legal System", *Islamic Studies* 52:1 (2013)

اسلامی قانون میں جرائم کو چار قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: حد (حق اللہ)، تعزیز (حق العبد) قصاص ودیت (یہ حق اللہ بھی ہے اور حق العبد بھی، لیکن اس میں بندے کا حق غالب ہے)، سیاسہ (حکم ران کا حق یا جدید ذہن کی تفہیم کے لیے، یہ ریاست کا حق ہے)۔

۷۔ مولانا کے بارے میں اگر یہ بات کتابِ ذہن کے اوراق پر ثبت کر دی جائے، کہ وہ اس اساسی قاعدے کے ساتھ متفق ہیں، تو کوئی بڑی الجھن پیش نہیں آسکتی۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ بعض محققین کے نزدیک مولانا قتلِ اسیر کو جائز نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد منیر کو **الجہاد فی الاسلام** کی عبارت میں سہو ہوا ہے کہ مولانا اسیر جنگ

الجہاد فی الاسلام پہلی کتاب ہے جس میں مولانا نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اس کتاب کے باب "روم و ایران کا طریقِ جنگ" میں "اسیرانِ جنگ کی حالت" کے عنوان سے مولانا نے ان عظیم تہذیبوں کے اسیرانِ جنگ کے ساتھ وحشیانہ سلوک پر تفصیلی بحث کی ہے۔ روم و فارس میں جنگی قیدیوں کا پہلا مصرف یہ تھا کہ سیر و تفریح کے لیے زندہ جلا دیے جاتے تھے، یا محظوظ ہونے اور لطف اٹھانے کے لیے شیروں سے پھڑوا دیے جاتے تھے۔[۸] دوسرا بڑا مصرف غلامی تھا، یہ لوگ غلاموں کے ساتھ سخت بہیمانہ سلوک کرتے تھے۔ تاہم ان دو عالم گیر تہذیبوں کے اس وحشیانہ سلوک پر تفصیلی بحث کے بعد مولانا لکھتے ہیں:

> اس مختصر تاریخی بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد میں جنگ کے اخلاقی حدود، محاربین کے حقوق و فرائض، عداوت میں ضبطِ نفس اور لڑائی میں رحم و غضب کے امتزاج کا وجود کیا معنی، ذہنوں میں اس کا تصوّر تک نہ تھا اور مہذب ترین قومیں بھی جہاں تک جنگ کا تعلق ہے وحشت و حیوانیت کے ابتدائی درجہ میں تھیں۔ اس زمانے میں جنگ کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ ایک ہنگامہ قتل و خون اور فتنہ سلب و نہب تھا جو طاقت ور کی ہر خواہش اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے برپا کیا جا سکتا تھا۔[۹]

کو قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ فاضل محقق کی نظر سے وہ حاشیہ اوجھل رہا جس میں مولانا نے اس قاعدے کا اضافہ کیا ہے:

Muhmmad Munir, "Debates on the Rights of Prisoners of War in Islamic Law", *Islamic Studies* 49: 4 (Winter 2010), 470

۸ – مودودی، **الجهاد في الإسلام**، ۲۳۱ء۔

۹ – نفس مصدر، ۲۱۶؛ روم میں شمشیر بازی باقاعدہ ایک ادارے کی صورت اختیار کر گئی تھی، آگ اور خون کی ہولی کھیلنا سیر و تفریح کا سب سے بڑا ذریعہ، یعنی اپنے دور کا سب سے مقبول تماشا تھا۔ یہ کھیل پہلی دفعہ ۲۶۴ قبل مسیح میں منعقد ہوا تھا، لیکن زیادہ پذیرائی حاصل نہ کر سکا، اس کو زیادہ مقبولیت روم کے استعماری دور میں مل گئی اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ باہر سے بڑے پیمانے پر آزاد انسانوں کو غلام بنانے یا جنگی قیدی بنا لینے کے بعد بربریت کی نذر کیے جاتے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Matthew Dillon and Lynda Garland, *Ancient Rome: From the Early Republic to the Assassination of Julius Caesar* (New York: Routledge, 2005), 106

ان پھکیتوں (Gladiators) میں زیادہ تعداد جنگی قیدیوں اور غلاموں کی ہوتی تھی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

Thomas Wiedermann, *Emperors and Gladiators* (New York: Routeledge, 1992); Donald G. Kyle, *Spectacles of Death in Ancient Rome* (New York: Routeledge, 1998); Catherine Edwards, *Death in Ancient Rome* (New Haven: Yale University Press, 2007); Cartwright, Mark. "Roman Gladiator." *Ancient History Encyclopedia*, accessed March 10, 2019, https://www.ancient.eu/gladiator/.

علاوہ ازیں دنیا کی ان دو بڑی تہذیبوں میں جنگ کے دیگر قوانین بھی نہایت انسانیت سوز تھے، جیسے: مذہبی مظالم، سفیروں پر تعدی، بدعہدی وغیرہ۔ اس بحث کے بعد مولانا "اسلام کے اصلاحات" کا ایک ذیلی باب قائم کرتے ہیں کہ گذشتہ اقوام کے بہیمانہ افعال میں اسلام نے کون سی اصلاحات کیں۔ ان میں سے ایک اسیر انِ جنگ بھی ہے۔ مولانا نے "قتلِ اسیر کی ممانعت" [۱۰] کے نام سے عنوان قائم کیا ہے، جس سے بہ ظاہر یہ تأثر ملتا ہے کہ مولانا جنگی قیدی کے قتل کو ناجائز رکھتے ہیں [۱۱] لیکن اسی کے حاشیے میں یہ اضافہ بھی کیا ہے:

> یہ اسیر انِ جنگ کے متعلق اسلام کا عمومی قانون ہے، لیکن اسلامی حکومت کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ اگر اسلام کے شدید دشمن یا وہ لوگ جنھوں نے مسلمانوں پر سخت ظلم و ستم کیے ہوں یا وہ ائمہ شر و فساد جو کسی فتنہ عظیم کے اصل ذمّہ دار ہوں کبھی جنگ میں ہاتھ آجائیں تو وہ ان کے قتل کا فیصلہ صادر کر دے۔ جس طرح مثلاً نبی ﷺ نے جنگِ بدر کے قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرایا۔ [۱۲] اس معاملے میں اسلامی حکومت جو کچھ بھی کرے گی بے لاگ طریقے

۱۰- ۱۶/نومبر ۱۹۷۵ء کو فلیٹیز ہوٹل لاہور میں شہری حقوق اور آزادیوں کے فورم کی دعوت پر مولانا مودودی نے "اسلام اور انسانی حقوق" کے نام سے ایک تقریر کی، جو بعد میں **ترجمان القرآن**، جنوری ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ اب یہ مضمون (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیمات**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۱۰ء)، ۴: ۷-۴۲) میں بھی شامل ہے۔ اس مضمون میں مولانا نے مقاتلین کے حقوق میں جنگی قیدیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ "کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے"۔ کسی کو غلط فہمی ہو سکتی کہ یہی مولانا کا نظریہ ہے۔ لیکن ہر اظہار کا ایک سیاق اور تناظر ہوتا ہے، اس کو نظر انداز کر کے ہمیشہ غلط فہمیاں ہی جنم لیتی ہیں۔ مزید یہ کہ کسی صاحب علم کی تحریر سے کوئی بات سیاق و سباق کے بغیر اٹھا کر یا کسی ایک بیان پر اکتفا کرنا بھی تحقیق کا مزاج نہیں ہے۔ مصنف کے پورے ڈسکورس کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۱۱- ڈاکٹر محمد منیر نے بھی یہ حوالہ دیا ہے۔

۱۲- رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو بعض مخصوص حالات میں قتل کیا ہے، اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اس حوالے سے متعدد روایات آئی ہیں جو بہ لحاظِ صحت سب مستحکم ہیں۔ دیکھیے: جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی، **نصب الراية لأحاديث الهداية وبغية الألمعي في تخريج الزيلعي** (جدہ: دار القبلة للثقافة الإسلامية-مؤسسة الريان - المكتبة المكية)، ۳ : ۴۰۱؛ تاہم ان نظائر کی موجودگی میں قتلِ اسیر سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ صاحب **هداية** کی یہ دلیل بہت مضبوط ہے کہ امام کو اسیر قتل کرنے کا اختیار حاصل ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل کیا ہے۔ دیکھیے: مرغینانی، **الهداية شرح بداية المبتدي**، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، ۲: ۱۴۱؛ ہمارے ہاں بعض مسلمان اہلِ قلم اس کی تردید میں دور از کار تاویلات میں لگ جاتے ہیں، اس عمل میں اکثر اوقات منطقی ربط قائم نہیں کر پاتے۔ کبھی اس کے لیے صحابہ کا اجماع نقل کیا جاتا ہے کہ وہ قتلِ اسیر کے قائل نہ تھے۔ اگر صحابہ نے اجماع کر لیا تھا

کرے گی۔ "مجرمین جنگ" پر مقدمہ چلانے کا ڈھونگ وہ کھڑا نہیں کرے گی جس طرح دوسری جنگ عظیم کے بعد اتحادی سلطنتوں نے کیا۔[۱۳]

اس عبارت سے دو امور واضح ہوئے: اولاً، مخصوص حالات میں قیدی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً حکومت جو کچھ کرے گی بے لاگ طریقے سے کرے گی۔ اسیر جنگ کو قتل کرنے کا معاملہ مولانا کے ہاں بالکل واضح ہے۔

الجہاد فی الاسلام میں تیسرا مقام، جہاں اسیر انِ جنگ کے متعلق بحث کی گی ہے، "جنگ کے مہذب قوانین" کے تحت "اسیر انِ جنگ" کے نام سے مذکور ہے۔ یہاں مولانا نے ایک اخلاقی زاویے سے بحث اٹھائی ہے کہ اسلام نہ صرف اسیر انِ جنگ کو قتل کرنے کی ممانعت کرتا ہے بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر بھی بہت زور دیتا ہے۔[۱۴]

تاہم قانونی طور پر یہ ثابت ہو چکا کہ مولانا اس اساسی قاعدے سے متفق ہیں کہ معاملہ اسیر حکمِ حاکم پر منحصر ہے۔ حاکم کو من، فدا، استرقاق، مفاداۃ بالمال اور مفاداۃ بالنفس سب کا اختیار حاصل ہے۔

اساری کے متعلق اسلامی قانون

اساری کے متعلق فقہاے کرام نے حکم ران کے لیے جو اختیارات ذکر کیے ہیں، وہ اختصار کے ساتھ یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

تو فقہا کو اس اجماع کا علم نہیں تھا؟ بعض اوقات یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض قیدیوں کو قتل کرایا، لیکن وہ دیگر جرائم میں بھی شریک تھے۔ اس پر مختصراً عرض ہے کہ قیدی کی اصل حیثیت محارب کی ہوتی ہے اگر اس کا قتل میدانِ جنگ میں محاربے کی وجہ سے جائز ہے تو قید کرنے کے بعد بھی جائز ہے۔ اس میں یہ بحث غیر متعلق ہو جاتی ہے کہ قید ہونا per se جرم ہے یا نہیں۔ اس کے بعد تیسری باری یہ ہوتی ہے کہ جن روایات میں قتلِ اسیر کا ذکر ہے وہ گھڑی ہوئی ہیں۔ آخر میں کوشش ہوتی ہے کہ ان تمام دلائل کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو ہم عصر بین الاقوامی قانون کے ساتھ موافق ثابت کیا جائے۔ جب یہ مان لیا کہ قیدی بعض مخصوص حالات میں قتل کر دیے جاتے تھے، اور بین الاقوامی قانون پہلے ہی سے یہ مان چکا ہے کہ مخصوص حالات میں قیدی قتل کیا جاسکتا ہے (تیسرا جنیوا معاہدہ، دفعہ ۱۰۰) تو پھر ممانعت پر اجماع ثابت کرنے یا روایات کو جھٹلانے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

۱۳۔ **الجہاد فی الاسلام**، ۲۱۳؛ یہ حاشیہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن (دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۰ء)، ص ۱۸۲ میں نہیں ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن (۱۹۴۸ء) شائع ہوا، اس حاشیہ کا اضافہ اسی میں کیا گیا ہے۔

۱۴۔ مودودی، **الجہاد فی الاسلام**، ۲۴۹۔

القتل

اوپر مذکور ہوا کہ اسیر کا قتل حکمِ حاکم پر منحصر ہے، اسلامی قانوں کی رو سے یہ سیاسہ میں آتا ہے۔ مولانا مودودی بھی حکم ران کے لیے یہ اختیار مانتے ہیں۔ بایں ہمہ مولانا کی سورت محمد کی تفسیر میں بعض آرا واضح نہیں ہیں، یہاں ان کو واضح کرنا ضروری ہے۔ اس سورت کی تفسیر میں انھوں نے اسیر انِ جنگ کے متعلق دو اختیارات مانے ہیں: من اور فدا۔ اس پر سوال اٹھتا ہے کہ قتل اور غلام بنانے کا جواز کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟ عام طور پر اسیر انِ جنگ کے حوالے سے صرف اسی آیت میں مذکور دو اختیارات پیشِ نظر رکھے جاتے ہیں، لیکن یہ رائے بہ وجوہ محلِ نظر ہے۔ چناں چہ غزوہ بدر سے قبل جہاد کے متعلق جتنی آیات نازل ہوئی تھیں ان میں اس امر کی توضیح کی گئی ہے کہ جن کے ساتھ تمھاری جنگ ہو ان کو قتل کرو، سورت محمد میں اس پر مزید زور دیا گیا کہ انھیں خوب کچل دو۔ اس کے ساتھ قید ہو جانے کی صورت میں من اور فدا کی تخصیص بھی گئی۔ بعد ازاں سورت توبہ میں ارشاد ہوا کہ کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ جو حضرات اسیر جنگ کو قتل کرنے کے قائل نہیں، ان آیات کی ترتیب سے ان کا مدعا قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ وہ ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے جس میں قتلِ اسیر کی ممانعت کی گئی ہو۔[۱۵] کیوں کہ جہاد کی علت حرابہ ہے اس لیے مقاتل کو جس طرح جنگ کے دوران قتل کیا جا سکتا ہے اسی طرح قید کرنے کے بعد بھی، اس کے برعکس غیر مقاتل (سبی) کو قید کرنے کے بعد عمومی حالات میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔[۱۶] اس کے پیچھے اصل اصول یہی ہے کہ علتِ قتال محاربہ ہے، اگر محارب میدان جنگ میں قتل کیا جا سکتا ہے اسی طرح قید ہونے کے بعد بھی اس کا قتل جائز ہے۔[۱۷] امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں سورت محمد میں صرف یہی دو اختیارات

۱۵- "قرآن میں ایسی کون سی آیت ہے جس میں یہ حکم ہو کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ رہا کرنے یا فدیہ لے کر چھوڑنے کے سوا کوئی تیسری صورت جائز نہیں ہے اور ان کو غلام بنا کر رکھنا حرام ہے؟ یقیناً ایسی کوئی آیت پیش نہیں کر سکتے۔ برعکس اس کے لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق بہ کثرت احکام آپ کو قرآن میں ملتے ہیں جو مذکورہ بالا آیت کے بعد نازل ہوئے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے احکام کے متعلق تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت تک رہائی کا حکم قطعی نہیں آیا تھا اس لیے لونڈی غلاموں کو رکھنا جائز تھا اور ان کے متعلق احکام بھی آئے تھے۔ لیکن بعد کی آیات کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟۔" (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیمات** (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، فروری ۱۹۹۵ء)، ۲: ۳۵۴-۵۵)

۱۶- اگر انھوں نے جنگ میں براہِ راست حصہ لیا ہو تو پھر ان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ مشتاق احمد، **جہاد مزاحمت اور بغاوت**، ۴۷۶۔

۱۷- صاحبِ **بدایۃ المجتہد** نے یہ اضافہ کیا کہ قتل اس صورت میں جائز ہے جب مسلمانوں نے اس کو امان نہ دیا ہو اور اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دیکھیے: محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی، **بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد** (مصر:

دیے گئے ہیں لیکن یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ لکھتے ہیں:

ذكر عن الحسن وعطاء رحمهما الله تعالى قال لا يقتل الأسير ولكن يفادى أو يمن عليه وكأنهما اعتمدا ظاهر قوله تعالى فإما منّا بعد وإما فداء ولسنا نأخذ بقولهما فإن حكم المن والمفاداة بالمال قد انتسخ بقوله تعالى فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم لأن سورة براءة من آخر ما نزل۔[۱۸]

(حسن اور عطاء رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ قیدیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ فدیہ لے کر یا ان پر احسان کر کے چھوڑا جا سکتا ہے۔ بہ ظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ رائے اپناتے ہوئے ان دو حضرات نے قرآنی آیت یا تو "احسان کر کے یا فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا" کے ظاہر کا سہارا لیا ہے۔ ہم ان کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے؛ کیوں کہ احسان اور فدیے کا حکم قرآن کی اس آیت سے منسوخ ہو چکا ہے کہ "مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی آپ کو ملے" اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔)

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دلیل بہت قوی ہے کہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت نہیں کی گئی اس لیے قتل جائز ہے۔ اس دلیل کے لیے پچھلی ذکر کی گی ترتیب ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح دشمن کو میدانِ جنگ میں قتل کیا جا سکتا ہے اسی طرح قید ہونے کے بعد بھی اس کا قتل جائز ہے۔ سورت محمد کی آیت بھی اس سلسلے کی کڑی ہے وہاں صاف ممانعت نہیں کی گئی؛ کیوں کہ مقاتل کے بارے میں اصل حکم قتل کرنے کا ہی ہے۔ اگر اس پر آیت میں مذکور احسانات کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ قتل کے جواز پر غزوۂ بدر کے موقع پر سیدنا عمر اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے جس رائے کا اظہار کیا تھا وہ بھی نہایت اہم ہے۔ بدر کے موقع پر ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے برعکس سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی رائے فدیے کے حق میں تھی۔ تاہم فریقین کے استنباط کا مصدر یہی آیت معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ سورت محمد بدر سے پہلے نازل ہوئی تھی اور قیدیوں کے بارے میں حکم پہلے سے موجود تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیشِ نظر تو یقیناً یہی آیت ہو گی، لیکن یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کی تجویز کس بنیاد پر دی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے قتل اور فدیے کی تجویز کیوں رکھی؟ اگر قیدی کے بارے میں صرف من اور فدا کا حکم تھا تو پھر ان کے سامنے قتل پر رائے لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کی بنا اسی آیت پر تھی کہ محارب کا حکم تو اصل میں قتل کرنے کا ہی ہے اور آیت میں صاف ممانعت بھی موجود نہیں۔ مزید یہ کہ جب بدر کے

شركة مكتبة و مطبعة مصطفىٰ الباني الحلبي و أولاده، ۱۹۸۵ء)، ۱: ۳۸۲۔

۱۸۔ **المبسوط**، کتاب السیر، ۱۰: ۲۴-۲۵۔

بعد آیت عتاب نازل ہوئی[۱۹] تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہوتا تو سیدنا عمر اور سیدنا سعد بن معاذ کے علاوہ کوئی بھی نہ بچتا۔ اس عتاب پر صاحبِ **بدایۃ المجتہد** نے لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام بنانے سے قتل کرنا افضل ہے۔[۲۰]

استرقاق

غلامی کے مسئلے پر مولانا مودودی کی تحریریں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ مابعد استعمار دور میں اس مسئلے پر مسلمان اہلِ قلم کی طرف سے مغرب کے سامنے بہت معذرتیں پیش کی گئیں۔ مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں اس مسئلے کو باقاعدہ موضوع بنا کر متکلمانہ اسلوب میں اس کی حقیقت واضح کی ہے۔ تاہم غلامی پر پہلی تفصیلی بحث **الجہاد فی الاسلام** میں ہوئی ہے۔ بعد کی تحریروں کے ساتھ موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ **الجہاد فی الاسلام** میں قائم کی گئی رائے اور اسلوبِ بیان دیگر تحریروں میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بحث ہے جو **تفہیمات** (جلد دوم)، میں "غلامی کا مسئلہ" کے نام سے شامل ہے۔[۲۱] تاہم اس بحث کو ترتیب کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

غلامی کو قطعاً ممنوع قرار نہ دینے کی وجہ

ہم عصر دنیا میں اسلام میں غلامی کو قطعاً ممنوع قرار نہ دینے کو اس زاویے سے زیرِ بحث لایا جاتا ہے کہ اگر

۱۹- کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالاں کہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ (سورۃ انفال، آیت: ۶۷-۶۸)

۲۰- ابن رشد، **بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد**، ۱: ۳۸۲۔

۲۱- یہ دراصل اسلم جیراج پوری کی کتاب **تعلیماتِ قرآن** پر مولانا مودودی کا تبصرہ تھا جو ماہنامہ **ترجمان القرآن** (مئی ۱۹۳۴ء، ربیع الاوّل، ۱۳۵۳ھ) کو شائع ہوا، اس تبصرے میں غلامی کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔ صاحبِ تعلیماتِ قرآن کی طرف سے اگست ۱۹۳۴ء (جمادی الاخری، ۱۳۵۳ھ) میں جواب شائع ہوا، **ترجمان القرآن** کا جواب الجواب ستمبر ۱۹۳۴ء (رجب، ۱۳۵۳ھ) میں آیا۔ بعد ازاں اس بحث میں غلام احمد پرویز (پرویز صاحب نے اسی زمانے میں جیراج پوری کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیے تھے، دیکھیے: **طلوع اسلام**، ۷ جنوری، ۱۹۵۶ء، ۷) نے بھی حصّہ لے کر جیراج پوری صاحب کی تائید میں مضمون شائع کیا (**ترجمان القرآن**، فروری ۱۹۳۵ء، ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ) اسی شمارے میں **ترجمان القرآن** کا آخری جواب بھی شائع ہو گیا۔ اب یہ بحث **تفہیمات** (حصّہ دوم) میں "مسئلہ غلامی" کے نام سے شامل ہے۔ تاہم غلامی کے مسئلے کا اسیرانِ جنگ کے ساتھ گہرا تعلق ہے، یہاں اس پہلو کا ذکر بھی ضروری ہے۔

غلامی اسلامی قانون کی رو سے مرغوب عمل نہیں تو اس کو کیوں جاری رکھا گیا ہے، ہمیشہ کے لیے اور مستقل موقوف کیوں نہیں کر دیا گیا؟ مولانا غلامی کو قطعاً ممنوع قرار نہ دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

[غلامی کی] دوسری شکل [جنگ میں گرفتار ہو کر غلام بننے والے] کے متعلق اسلام کا قانون یہ قرار پایا کہ جو لوگ جنگ میں گرفتار ہوں، ان کو یا تو احسان کے طور پر رہا کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، یا دشمن کے مسلمان قیدیوں سے ان کا مبادلہ کر لیا جائے، لیکن اگر یونہی رہا کر دینا جنگی مصالح کے خلاف ہو، اور فدیہ وصول نہ ہو سکے، اور دشمن اسیر انِ جنگ کا مبادلہ کرنے پر بھی رضامند نہ ہو تو مسلمانوں کو حق ہے کہ انھیں غلام بنا کر رکھیں۔ (۲۲)

ایک دوسرے مقام پر بھی مولانا یہی وجہ ذکر کرتے ہیں:

غلامی کو بالکل موقوف نہ کر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے اسے محض ایک جنگی ضرورت کی حیثیت سے باقی رکھا ہے اور یہ ضرورت ہر ایسے موقع پر پیش آسکتی ہے؛ جب کہ ہمارا کسی دشمن سے اسیر انِ جنگ کے مبادلے یا فدیے پر معاہدہ نہ ہو سکے اور ہماری حکومت جنگی قیدیوں کو بلا فدیہ و بلا مبادلہ چھوڑ دینا ملکی مصالح کے خلاف سمجھے۔ شاذ مواقع سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا میں اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام تک اسیر انِ جنگ کے مبادلے کا طریقہ رائج نہ تھا، نہ اس امر کا کوئی امکان تھا کہ مسلمان حکومتیں دشمن کے جنگی قیدیوں کو چھوڑ کر اپنے جنگی قیدیوں کو بھی چھڑا سکتیں اور اب اگر دنیا میں مبادلہ اسیر انِ جنگ کا طریقہ رائج ہوا ہے تو وہ کسی مذہبی حکم کی بنا پر نہیں بلکہ ایک مصلحت کی بنا پر ہے جسے کوئی قوم جب چاہے نظر انداز کر سکتی ہے۔ آج یہ ناممکن نہیں ہے کہ ہمارا کسی ایسے ہٹ دھرم دشمن سے سابقہ پیش آجائے جو مبادلہ اسیر انِ جنگ کی تجویز کو ٹھکرا دے اور ہمارے جنگی قیدیوں کو کسی شرط پر بھی چھوڑنے کے لیے راضی نہ ہو۔ اب آپ خود سوچیں کہ اگر اسلام ہمیں بہر حال جنگی قیدیوں کی رہائی کا پابند کر دیتا تو کیا یہ حکم ہمارے لیے وجہ مصیبت نہ بن جاتا؟ کیا کوئی قوم بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس نقصان کی متحمل ہو سکتی ہے کہ ہر لڑائی میں اس کے آدمی دشمن کے پاس قید ہوتے رہیں اور وہ دشمن کے آدمیوں کو چھوڑتی جائے؟ اور کیا کوئی دشمن بھی ایسا بے وقوف ہو سکتا ہے وہ ہم سے کبھی اسیر انِ جنگ کے مبادلے کا معاہدہ کرنے پر آمادہ ہو، جب کہ اسے اطمینان ہو کہ ہم بہر حال اپنے مذہبی احکام کی بنا پر اس کے آدمیوں کو چھوڑنے پر مجبور ہیں۔ (۲۳)

مولانا نے یہ بات ۱۹۵۲ء میں لکھی ہے کہ اگر ہمارا کسی ایسے ہٹ دھرم دشمن سے سابقہ پیش آجائے جو مبادلہ اسیر انِ جنگ کی تجویز کو ٹھکرا دے اور ہمارے جنگی قیدیوں کو کسی شرط پر بھی چھوڑنے کے لیے راضی نہ ہو تو

۲۲- مودودی، **تفہیمات**، ۲: ۳۳۲۔ اس عبارت سے حاکم کے اختیار کو مزید تقویت ملتی ہے۔ اگر غلام بنایا جا سکتا ہے تو جنگی مصالح کے پیشِ نظر قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۳- ترجمان القرآن، رمضان، شوال، ۱۳۷۱ھ، جون، جولائی، ۱۹۵۲ء؛ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **رسائل و مسائل** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، جولائی ۲۰۰۰ء)، ۲: ۲۹۶-۹۷۔

ان کے قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ اس پر سوال اٹھتا ہے کہ جنیوا کے تیسرے معاہدے (۱۹۴۹ء) کی دفعہ ۱۱۸ کے مطابق تو جنگ بندی کے بعد قیدیوں کی رہائی لازم ہے تو پھر اس معاہدے کے تین سال گزر جانے بعد مولانا کس طرح اس اندیشے کا اظہار کر رہے ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا کے سامنے جدید دنیا کی بد عہدیوں کی بے شمار مثالیں موجود تھیں۔ ابھی جنیوا معاہدے پر تین سال بھی نہیں گزرے کہ ہٹ دھرم اقوام نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ مولانا کے سامنے جنوبی کوریا کے قیدیوں کا مسئلہ بھی ہو گا۔ جنوبی اور شمالی کوریا کے مابین جنگ (۱۹۵۰ء– ۱۹۵۳ء) میں شمالی کوریا نے جنوبی کے قیدیوں کو باڑوں میں رکھا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۵۳ء کو دونوں کے مابین معاہدہ ہوا جس کی تیسری دفعہ کے مطابق ایک خاص طریقہ سے جنگی قیدی آزاد کر دیے جائیں گے۔[۲۴] لیکن اس کے بعد جنوبی کوریا کا ایک لیفٹننٹ ۴۳ سال بعد [۱۹۹۴ء] میں شمالی کوریا سے رہا ہوا جس کے بارے میں یہ خیال کیا جارہا تھا کہ جنگ میں مارا گیا ہے۔ اس نے بھی کہا کہ شمالی کوریا میں اب بھی ہزاروں کی تعداد میں قیدی موجود ہیں۔[۲۵] اسی طرح شمالی کوریا نے سینکڑوں دیگر امریکی قیدی رہا نہیں کیے۔[۲۶]

اب جو حضرات یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن نے صرف دو اختیارات دیے ہیں، من اور فداء اس کے علاوہ قتل اور استرقاق ناجائز ہیں ان کی رائے ہر زاویے سے غیر منطقی ہے؛ کیوں کہ اگر دشمن یہ جانتا ہو کہ مسلمانوں کے پاس صرف یہی دو اختیارات ہیں تو وہ مسلمان قیدیوں کے تبادلے یا رہا کر دینے پر کیوں راضی ہو گا؟ مزید برآں اگر دشمن کو یہ بھی معلوم ہو کہ مسلمانوں کے پاس صرف یہی دو اختیارات ہیں تو وہ فدیہ دینے کے لیے تیار ہو سکتا ہے؟ اس کی صورت یوں بنتی ہے کہ مسلمان دشمن سے کہے کہ فدیہ دیں ورنہ ہم آپ کی قیدیوں کو مفت رہا کر دیں گے۔

اس بحث کے متعلق جسٹس منیر رپورٹ پر تبصرہ میں اسیر ان جنگ کے بارے میں کی گئی بحث خالی از فائدہ نہ ہو گی۔ مولانا مودودی نے تحقیقاتی عدالت کے سامنے اسیر انِ جنگ کے بارے میں اپنا موقف بغیر لگی لپٹی

24– The Korean Armistice Agreement, 27 July, 1953, Article: III

25– The Factual Evidences of Human Rights Violations Committed by the North Korean Regime (Democratic People's Republic of Korea or DPRK) on Korean War POW, Complaint against North Korea (DPRK) regarding the continued detention of South Korean POWs, April 8th, 2011.

26– The U.S. knew in 1953 North Koreans Held American P.O.W's, *New York Times*, September 17, 1996 article, accessed March 10, 2019, https://www.nytimes.com/1996/09/17/world/us-knew-in-1953-north-koreans-held-american-pow-s.html

پیش کیا تھا۔ رپورٹ میں نقل کی گئی بحث سے قبل یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

"The law relating to prisoners of war is another branch of Islamic law which is bound to come in conflict with International Law."[۲۷]

(اسلامی قانون کی ایک اور شاخ اسیر انِ جنگ کا قانون ہے جس کا بین الاقوامی قانون سے تصادم یقینی ہے۔)

تاہم اس پر مزید بحث نہیں کی گئی، لیکن یہ نتیجہ مولانا مودودی، مولانا ابوالحسنات اور میاں طفیل محمد سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں سے اخذ کیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ اسلام کا قانونِ جنگ جدید بین الاقوامی قانونِ جنگ سے مختلف ہے۔ تینوں حضرات نے اثبات میں جواب دیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ تحقیقاتی عدالت میں بھی مولانا نے اسیر ان جنگ کے حوالے سے وہی رائے دی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ تاہم منیر رپورٹ کے اخذ کردہ نتیجے کے بارے میں نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

ہم نے رپورٹ کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی شہادت میں اور اپنے دوسرے بیان کے پیراگراف نمبر ۱۲ میں اسیر ان جنگ کے مسئلے کی جو توضیح کی ہے اس کے بعد یہ نتیجہ کہاں سے اور کیسے نکالا گیا، لیکن اس میں ہمیں کامیابی نہیں ہو سکی۔ دونوں جگہ یہ صاف تصریح ہے کہ شریعت اسیر انِ جنگ کے تبادلے کی نہ صرف اجازت دیتی ہے بلکہ اس کو ترجیح دیتی ہے۔ پھر بین الاقوامی قانون سے تصادم کی وجہ کیا ہے؟ البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسیر انِ جنگ کے تبادلے کا کوئی انتظام نہ ہو، تو اسیر ان جنگ کا انجام کیا ہو گا۔ اس کے متعلق اسلامی قانون پر مستشرقین کی تعصبانہ تحریروں کی روشنی میں اعتراض کرنے سے پہلے چاہیے کہ ہم لوگ آنکھیں کھول کر اس انجام کو دیکھ لیں جو آج اخلاقی شعور کی اس ترقی کے دور میں جرمنی اور جاپان کے اسیر انِ جنگ کا ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اگر اسیر ان جنگ کا تبادلہ نہ ہو سکے اور ان کی قوم فدیہ دے کر بھی انھیں نہ چھڑائے، اور وہ خود بھی فدیہ ادا کر کے رہائی نہ حاصل کریں، تو اس کے ساتھ کیا کیا جانا چاہیے۔ کہا جا سکتا ہے کہ انھیں ویسے ہی کیوں نہ چھوڑا جائے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ ویسے ہی چھوڑنا اس صورت میں تو ممکن ہے، جب کہ انگلستان، امریکہ اور فرانس کی طرح غنیم پر مکمل فتح پا کر ایک فریق اپنے قیدیوں کو رہا کرا چکا ہو۔ مگر جب ایک فریق کے آدمی دوسرے فریق کے پاس قید ہوں تو کیا اس صورت میں بھی یہی مشورہ ہو گا کہ وہ دوسرے فریق کے آدمیوں کو بہر حال رہا کر دے، خواہ اس کے اپنے آدمی رہا ہوں یا نہ ہوں؟ کسی رائے کے نتائج کا اندازہ لگائے بغیر رائے قائم کرنا کسی حال میں مناسب نہیں اور اب تو آپ خود ایک آزاد مملکت لیے بیٹھے ہیں۔ اجتماعی اور بین الاقوامی معاملات میں بات وہ کرنی چاہیے جو عملاً چل سکے، ورنہ ہماری کی ہوئی باتیں (اور خصوصاً عدالتی آرا) کل خود ہمارے ہی لیے مصیبت بن سکتی ہیں۔ آپ یقین رکھیں جس روز دنیا کو معلوم ہو گیا کہ آپ دشمن کے قیدی بہر حال چھوڑ دیں گے خواہ آپ کے قیدی چھوٹیں یا نہ

27– Report of the Court of Inquiry constituted under Punjab act II of 1954 to enquire into the Punjab disturbances of 1953, p. 225.

چھوٹیں اس کے بعد پھر کسی جنگ میں آپ کا کوئی آدمی قید ہونے کے بعد رہائی نہ پا سکے گا اور دو چار لڑائیوں میں آپ کی آدھی آبادی دشمن ملکوں کی اسیر ہو کر رہ جائے گی۔[۲۸]

محض من اور فدا کو جائز ماننے پر مولانا لکھتے ہیں:

غلامی کے مسئلے میں قرآن مجید نے یہ بات مسلمانوں کے اختیار پر موقوف رکھی ہے کہ خواہ احسان کے طور پر اسیرانِ جنگ کو رہا کریں خواہ فدیہ (بہ صورتِ مبادلہ اسیران) لے کر چھوڑ دیں۔ یہ کہیں حکم نہیں دیا ہے کہ اگر دوسری صورت نہ ہو تو پہلی صورت پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ فطرتِ انسانی سے واقف ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ اگر معاملہ دو چار یا دس قیدیوں کا ہو تو مسلمان ان کو بطیب خاطر بہ طورِ احسان رہا کر سکتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے عہدِ رسالت اور عہد صحابہ میں بارہا کیا ہے، لیکن اگر سینکڑوں ہزاروں آدمی قیدیوں کا معاملہ ہو تو ایسی صورت میں جب کہ مسلمانوں کے بھی سینکڑوں ہزاروں آدمی کفّار کے پاس قید ہوں اور ان کو غلام بنا رکھا گیا ہوں، مسلمانوں کے لیے یہ بہت مشکل ہو گا کہ وہ کفار کے آدمیوں کو محض احسان کے طور پر رہا کر دیں۔[۲۹]

من اور فدا کے علاوہ دیگر اختیارات کو ناجائز قرار دینا دراصل اس ذہن کا نتیجہ ہے جو اخذ و استنباط کے وقت صرف قرآن کریم کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ حدیث اور سنت کے بارے میں متشکک ذہن کو تو صرف یہی دو اختیارات نظر آتے ہیں لیکن یہ کوئی معقول اور دانش مندانہ رائے اس لیے نہیں کہ اگر دشمن یہ جانتا ہو کہ آپ کے پاس صرف یہی دو اختیارات ہیں، فدیہ کے ساتھ رہائی اور بغیر فدیہ کی رہائی، تو آخر وہ اتنا بے وقوف کیوں ہو گا کہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑوائے گا؟

غلامی کا جواز

غلامی کے جواز پر بعض معاصر علما نے اس تناظر میں بحث کی ہے کہ قرآن سے اگر اس کا جواز نہیں ملتا تو آخر اس کا ماخذ کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد مشتاق احمد نے اس پر سوالات اٹھائے ہیں وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ لکھتے ہیں:

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی مانتے ہیں کہ بعض مواقع پر قیدیوں کو غلام بنایا گیا مگر وہ اسے معاملہ بالمثل قرار دیتے ہیں۔[۳۰] لیکن

---

۲۸ – سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ** (منصورہ لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۴ء)، ۱۳۰-۳۲؛ اس کتاب کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا مودودی نے منیر رپورٹ پر تبصرہ جیل میں لکھا تھا اس وجہ سے آپ کے نام سے شائع نہیں کیا گیا۔ نعیم صدیقی اور سعید ملک نے اس تبصرے پر نوٹ اور حواشی لکھ کر اپنے ناموں سے شائع کیا، بعد میں نعیم صدیقی نے اسے مولانا نے نام سے شائع کیا۔

۲۹– مودودی، **تفہیمات**، ۲: ۳۵۴-۵۵۔

۳۰– مفتی منیب الرحمٰن نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، دیکھیے: پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن، تفسیر سورۃ النساء (لاہور: ضیاء القرآن

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معاملہ بالمثل کی بنیاد پر قرآنی نص پر اضافہ یا قرآنی نص سے انحراف کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح یہود بنو قریظہ کے مقاتلین کو آپ نے قتل کر دیا اور غیر مقاتلین کو غلام بنایا۔ عصر حاضر کے اکثر اہل علم اسے اس بنیاد پر جواز عطا کرتے ہیں کہ ایک تو یہ ثالث کا فیصلہ تھا اور ثالث بھی یہود نے مقرر کیا تھا۔ دوسرے یہ تورات کا ہی فیصلہ تھا جو ان پر نافذ ہوا۔ سوال پھر وہی ہے کہ کیا ثالث کے فیصلے یا تورات کے حکم کی بنیاد پر قرآن کا حکم ترک کیا جاسکتا ہے۔[۳۱]

یہ تمام سوالات قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے حوالے سے بھی بہت اہم ہیں؛ کیوں کہ غلامی کا جواز صریح نصِ قرآنی میں مذکور نہیں ہے۔ اس لیے متشککین بہت آسانی کے ساتھ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔[۳۲] اب اگر مماملہ بالمثل یا ثالث کے فیصلے اور تورات کا سہارا لیا جائے تو اس سے خود بہ خود سنت کی اہمیت نظر انداز ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کے جواز کا ماخذ سنت رسول ﷺ ہی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مودودی کے وہ دلائل نہایت قوی ہیں جو انھوں نے جیراج پوری صاحب کے جواب میں لکھی ہیں:

اس باب میں اسلام کا صحیح قانون معلوم کرنے کے لیے قرآنی احکام کے ساتھ نبی ﷺ کے عمل اور آپ کے ارشادات اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مؤلف کی غلطی کا اصل سبب یہی ہے کہ انھوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔[۳۳]

مزید لکھتے ہیں:

آپ نے غلامی کے مسئلے پر جو اظہارِ خیال فرمایا ہے اس میں ایک طرف آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے غلامی ناجائز ہے، اور دوسری طرف آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ صحابہ اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اسیرانِ جنگ کو غلام بناتے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ اور اہلِ بیت کا فعل قرآن کے خلاف اور ناجائز تھا۔ آپ تاریخی حدود میں جاکر اور اسباب و حالات کی مجبوریوں پر بحث فرما کر خواہ کیسا ہی کافی و شافی جواب عطا فرمائیں، مگر خود آپ کے اپنے مقدمات سے جو منطقی نتیجہ نکلتا ہے، اس پر آپ کسی طرح پردہ

پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۵۸) ڈاکٹر مشتاق احمد کی رائے میں غلامی کے پیچھے صرف معاملہ بالمثل کا اصول نہیں تھا بلکہ اضطرار کا قاعدہ بھی کار فرما تھا۔ (مشتاق احمد، مرجع سابق، ۴۸۵۔)

۳۱۔ نفس مرجع، ۴۸۱۔

۳۲۔ ان حضرات کے جواب میں مولانا مودودی ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں مذکور دو اختیارات دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ قرآن میں غلام اور لونڈیوں کے بہت سے سارے احکام نازل ہوئے ہیں، سورت محمد نازل ہونے کے بعد تمام لونڈی اور غلام رہا ہونے چاہیے تھے، لیکن اس کے بعد ان کے متعلق اس طرح احکام آتے رہے جس طرح پہلے آتے تھے، مزید یہ کہ اہلِ بیت اور صحابہ نے بھی غلام اور لونڈیاں رکھے ہیں ان کا عمل قطعی طور پر قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ (مودودی، **تفہیمات**، ۲: ۳۵۴۔)

۳۳۔ نفسِ مصدر، **تفہیمات**، ۲: ۳۵۰۔

نہیں ڈال سکتے۔ آپ کو نہ صرف یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلفائے راشدین، اور اصحابِ رسول ﷺ اور اہلِ بیت رسول ﷺ کا فعل قرآن مجید کے خلاف اور ناجائز تھا، بلکہ آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ قرآن نے قبل از وقت ایک ایسا غیر حکیمانہ قانون بنا دیا تھا جس میں وقت کے حالات کی کوئی رعایت ملحوظ نہیں رکھی تھی، اور ۱۲ سو برس تک عمل کرنا دشوار رہا، اور جس پر وہ لوگ بھی عمل درآمد نہ کر سکے جو خاص سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیم کے سانچے میں ڈھالنے کی وہ انتہائی کوشش کی تھی جو کسی انسان کے امکان میں نہیں ہے۔[۳۴]

غلامی کے عدمِ جواز پر ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیدیوں کو رہا کر دیا کرتے تھے، اکثر اوقات غزوہ بنو المصطلق اور ہوازن کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ اس کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوا تو سارے قیدی تقسیم کیے جا چکے تھے۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا: یہ لوگ تائب ہو کر آئے ہیں، اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیے جائیں، تم میں سے جو کوئی بہ خوشی اپنے حصّے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اس طرح چھوڑ دے، اور جو معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دے دیں گے۔ چناں چہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیے گئے، اور جن لوگوں نے معاوضہ لینا چاہا، انھیں حکومت کی طرف سے معاوضہ دے دیا گیا۔ (**بخاری، ابوداؤد، مسند احمد، طبقات ابن سعد**) اس سے یہ معلوم ہوا کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد حکومت قیدیوں کو خود رہا کر دینے کی مجاز نہیں رہتی، بلکہ یہ کام ان لوگوں کی رضامندی سے، یا ان کو معاوضہ دے کر کیا جا سکتا ہے، جن کی ملکیت میں قیدی دیے جا چکے ہیں۔[۳۵]

۳۴۔ نفسِ مصدر، ۳۵۵-۵۶۔

۳۵۔ سیّد ابو اعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۸۰ء)، ۵: ۱۷۔ یہ تمام مثالیں جناب جاوید احمد غامدی نے بھی دھرائی ہیں، ساتھ یہ لکھا بھی ہے کہ ہوازن والے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قیدی چھڑوانے کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے کہا کہ تم میں سے جو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے، وہ اسی طرح چھوڑ دے اور جو معاوضہ لینا چاہے تو اس کو حکومت کی طرف سے معاوضہ دیا جائے گا۔ (جاوید احمد غامدی، **میزان** (لاہور: المورد ادارہ علم و تحقیق، دسمبر ۲۰۰۹ء)؛ قانونِ جہاد، ۶۰۴) لیکن غامدی صاحب کی توجہ اس جانب مبذول نہیں ہوئی کہ معاوضے کا اختیار صحابہ کو کیوں دیا گیا؟ یہ نہایت اہم نکتہ ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مشتاق صاحب لکھتے ہیں: بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو صحابہ نے تقسیم کے بعد از خود آزاد کیا کیوں کہ آپ ﷺ نے اس قبیلے کی ایک خاتون (سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا) سے شادی کی۔ کبھی ایسا ہوا کہ اگر کچھ صحابہ قیدیوں کو رہا کرنے پر آمادہ نہ تھے تو انہیں معاوضہ دے کر قیدیوں کو رہا کروایا۔ یہ ساری باتیں صحیح ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ جب آپ نے ایک بار قیدیوں کو تقسیم کیا تو کیا ان کو غلام نہیں بنایا گیا اور کیا صحابہ کو ان پر مالکانہ حقوق نہیں دیے گئے؟ اگر وہ غلام نہیں بنائے گئے تو بعض صحابہ کو معاوضہ کس چیز کا دیا گیا؟ (مشتاق احمد، مرجع سابق، ۴۸۱۔)

غلامی دائمی ہے؟

اسلام میں غلام رکھنا ایک جائز فعل ہے، اس کا حکم اباحت کی حد تک ہے۔ شریعت نے صرف اس کی اجازت دی ہے حکم نہیں دیا ہے۔ اس اجازت سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا مسلمانوں کا اختیاری فعل ہے، بلکہ خلفاے راشدین کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ نہ اٹھانا افضل ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: "اسلام نے اسیر انِ جنگ کو غلام بنانے کی صرف اجازت دی ہے حکم نہیں دیا ہے۔ اس اجازت سے فائدہ اٹھانا مسلمانوں کا اختیاری فعل ہے، بلکہ خلفاے راشدین کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا کہ فائدہ نہ اٹھانا افضل ہے۔"[۳۶]

اگرچہ غلامی کو مستحسن قرار نہیں دیا گیا، لیکن اس کی اباحت ثابت ہے۔ مولانا مودودی واضح کر چکے ہیں کہ غلامی کن وجوہ کے تحت جاری رکھی گئی۔ تاہم اگر دشمن مسلمان قیدیوں کو آزاد کرنے اور تبادلے پر راضی ہو جائے تو مسلمان اسیر انِ جنگ کو غلام نہ بنانے پر معاہدہ کر سکتے ہیں اور جب تک معاہدہ قائم رہے گا، اس کی پابندی لازم ہو گی۔ اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

> اسلام نے اس [غلامی] کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ جب دشمن نہ تبادلہ اسیر ان پر راضی ہو، اور نہ فدیے کے عوض اپنے قیدی چھڑانا اور ہمارے قیدی چھوڑنا قبول کرے۔ اس صورت میں اسلام نے قیدیوں کو جیلوں اور اجتماعی کیمپوں [Concentration Camps] میں رکھ کر جبری محنت لینا پسند نہ کیا، بلکہ انھیں افراد میں تقسیم کر دینے کو ترجیح دی، تاکہ ان کا مسلمانوں میں جذب ہو جانا زیادہ آسانی کے ساتھ ممکن ہو۔[۳۷] یہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں دنیا کے دوسرے ممالک بھی قیدیوں کو غلام ہی بنا رکھتے تھے، اور غلامی کا لفظ ہمارے اور ان کے درمیان ضرور مشترک تھا، مگر جہاں تک غلامی کی حقیقت کا تعلق ہے، اسے جس طرح اسلام نے بدلا اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ آخر وہ دنیا کی کون سی قوم ہے جس نے کثرت سے غلام اور غلام زادے امامت اور قضا اور سپہ سالاری اور امارت اور فرماں روائی کے مرتبوں پر پہنچائے ہوں؟[۳۸]

۳۶۔ مودودی، **الجہاد فی الاسلام**، ۲۵۵؛ مفتی محمد شفیع (۱۸۹۷ء– ۱۹۷۶ء)، کی بھی یہی رائے ہے: "جنگی قیدی کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انھیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لیے ہے جب تک دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو، تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہو گی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے، لہٰذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لیے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔" (مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن** (کراچی: ادارۃ المعارف، اپریل ۲۰۰۸ء)، ۸: ۲۷۔)

۳۷۔ معاملہ بالمثل، کے اصول اور اضطرار کے قاعدے کے علاوہ غلام رکھنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی۔

۳۸۔ **الجہاد فی الاسلام** میں مولانا نے اس کی ایک طویل فہرست دی ہے، وہ لائقِ مطالعہ ہے۔ ۲۶۱-۶۲۔

یہ تو کم سے کم تہذیب وانسانیت کی حد تھی جس پر اسلامی قانون نے ہمیں قائم کیا۔ اب اگر دنیا کی قومیں تبادلۂ اسیرانِ جنگ کا قاعدہ قبول کر چکی ہیں تو اسلام میں کوئی چیز اس کا خیر مقدم کرنے سے ہمیں نہیں روکتی۔ ہمارے لیے تو یہ خوشی کا مقام ہے کہ دنیا بالآخر اس بات پر راضی ہو گئی جس پر صدیوں پہلے اسے راضی کرنا چاہتے تھے۔[۳۹]

اس سے معلوم ہوا، اگر دشمن تبادلے یا فدیے پر راضی ہو جائے تو غلام بنانے کی نوبت نہیں آسکتی۔ لیکن آج بھی دشمن ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر سکتا ہے، کوریا کی مثال ذکر ہوئی اس کے علاوہ بھی مثالیں موجود ہیں۔ مغربی دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً اس ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہو چکا ہے۔ تاہم اگر بین الاقوامی قانون کی پابندی کرتے ہوئے فریقین تبادلے پر راضی ہو جائیں تو مولانا کے بہ قول اسلام تو صدیوں سے دنیا کو اس پر راضی کرنا چاہتا تھا۔ ایک اور مقام پر اسی رائے پر مزید اضافہ کرتے ہوئے ہٹ دھرم اقوام کی حقیقت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

موجودہ زمانے میں اس مسئلے کا جو حل تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کے بعد فریقین کے جنگی قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جائے۔ مسلمان اس کے لیے پہلے سے تیار تھے، بلکہ جہاں کہیں فریقِ مخالف نے قیدیوں کے تبادلے کو قبول کیا وہاں بلا تکلف اس تجویز پر عمل کیا گیا، لیکن اگر اس زمانے کی کسی لڑائی میں ایک حکومت مکمل طور پر شکست کھا جائے اور غالب آنے والی طاقت اپنے آدمیوں کو چھڑا لے اور مغلوب حکومت باقی ہی نہ رہے کہ اپنے آدمیوں کو چھڑا سکے تو تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مغلوب قوم کے قیدیوں کو غلامی سے بدتر حالت میں رکھا جاتا ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ گذشتہ جنگِ عظیم میں روس نے جرمنی اور جاپان کے جو قیدی پکڑے تھے ان کا حشر کیا ہوا۔ ان کا آج تک حساب نہیں ملا ہے کچھ نہیں معلوم کہ کتنے زندہ رہے اور کتنے مر کھپ گئے۔ ان سے جو خدمات لی گئیں وہ غلاموں کی خدمت سے بدتر تھیں۔ غالباً فرعون کے زمانے میں اَہرام بنانے کے لیے غلاموں سے اتنی خدمت نہ لی گئی ہوں گی جتنی روس اور سائبیریا اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کو ترقی دینے کے لیے جنگی قیدیوں سے لی گئیں۔[۴۰]

امورِ مذکورہ صدر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے غلامی کو کیوں جاری رکھا۔ ہر دور میں حالات ایک طرح نہیں ہوتے مولانا اس کے بارے میں سورت محمد کی تفسیر میں اسیر ان جنگ کی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

۳۹۔ یہ اقتباس مولانا کے دوسرے بیان سے ماخوذ ہے جو فسادِ لاہور کی تحقیقاتی عدالت کے سوالات کے جواب میں پیش کیا تھا۔ دیکھیے: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کا تحقیقاتی عدالت میں دوسرا بیان، **ترجمان القرآن**، مئی، ۱۹۵۴ء، ۳۲، مشمولہ: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، (لاہور: اسلامی پبلی کیشنز، جنوری، ۲۰۱۶ء)، ۳۴۰-۴۱؛ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **قادیانی مسئلہ اور اس کے سیاسی اور معاشرتی پہلو** (لاہور: اسلامی پبلی کیشنز، جنوری، ۲۰۱۸ء)، ۱۶۲-۶۳۔

۴۰۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیمات** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۱۰ء)، ۵:۱۶۔

اسلام نے اسیر انِ جنگ کے معاملے میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بتایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ بر آ ہونے کی گنجائش موجود ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کی اس آیت کا بس مختصر سا مطلب لے لیتے ہیں کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو "یا بہ طورِ احسان چھوڑ دیا جائے، یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے"، وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے، اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کر سکتا ہے۔[۴۱]

اس بحث کا خلاصہ مولانا نے **تصریحات** میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے:

حضور ﷺ کی بعثت سے عرب کی پوری معاشی زندگی غلاموں پر چل رہی تھی۔ آپ ﷺ کی بعثت نے آتے ہی جو انقلابی کام کیا وہ یہ تھا کہ غلام کو آزاد کرنا ایک نیکی قرار دیا۔ اگر کسی شخص کو کوئی کفارہ ادا کرنا تھا تو اسے بتایا گیا کہ غلام کو آزاد کرنا بہترین کفارہ ہے۔ چوں کہ عرب کے وہ لوگ سچے دل سے ایمان لائے تھے۔ اس لیے اسلام لانے والوں نے غلاموں کو دھڑا دھڑ آزاد کرنا شروع کر دیا۔ تنہا عبد الرحمٰن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ اسی طرح تمام صاحبِ حیثیت مسلمانوں نے سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں اپنے اپنے غلام خرید خرید کر آزاد کر دیے۔ یہاں تک کی جاہلیت کے زمانے کا ایک غلام بھی قیدی نہ رہا تھا۔ اب غلاموں کے متعلق فی نفسہ اسلام کا قانون سمجھ لیجیے۔ اسلام نے جن غلاموں کو قید رکھنا جائز قرار دیا، وہ جنگی قیدی تھے۔ ان کے بارے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان کا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ تیسری صورت ذرا پیچیدہ ہے۔ وہ یہ کہ انھیں کوئی نہیں چھڑاتا، تو ان کے انتظام کی کیا شکل ہو؟ اس کی جو عملی شکلیں ممکن ہیں وہ دو ہیں۔ یا تو Concentration Camps (مشقتی کیمپ) بنائے جائیں اور انھیں ان میں گلنے سڑنے کے لئے چھوڑ دیا جائے یا پھر انھیں خاندانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اب آپ خود غور کیجیے ان میں سے کون سا راستہ بہتر ہے۔ انھیں مشقتی کیمپوں کے حوالے کرنے کا یا انسانوں میں تقسیم کر دینے کا۔ پچھلی جنگ عظیم میں جو جرمن قیدی پکڑے گئے، ان کا ان تک کوئی حساب نہیں کیا گیا اور نہ یہ ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکا کہ کس شخص کے ساتھ کیا کیا حشر ہوا۔ یہی معاملہ جاپانی قیدیوں کے ساتھ بھی ہوا اور یہی کچھ روس اور جرمنی بھی کرتا رہا ہے۔ جو لوگ اسلام پر غلامی کا طعن کرتے ہیں، ان سے پوچھیے کہ کیا آج انسان انسان کو غلام بنا رہا ہے یا نہیں۔[۴۲]

مفاداۃ بالمال (مالی فدیہ دینا)

مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دینے کی مثال رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف جنگِ بدر کے موقع پر ملتی ہے، جس میں قیدیوں سے چار ہزار تک کی رقمیں لے کر ان کو رہا کیا گیا، صحابہ کے دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور فقہا نے اس کو بالعموم ناپسند کیا ہے؛ کیوں کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم روپیہ لے کر دشمن کے ایک آدمی کو چھوڑ دیں تا کہ وہ پھر ہمارے خلاف تلوار اٹھائے، لیکن چوں کہ قرآن میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے،

۴۱۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ۵: ۱۸۔

۴۲۔ سیّد ابو الاعلیٰ مودودی، **تصریحات** (لاہور: البدر پبلی کیشنز، نومبر ۲۰۰۹ء)، ۲۲۴-۲۵۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اس پر عمل بھی کیا ہے، اس لیے ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔[۴۳]

مفاداۃ بالنفس (جانی فدیہ دینا)

مفاداۃ بالنفس بھی ازروے شریعت جائز ہے۔ مولانا اس بابت فقہاے کرام کے ساتھ متفق ہیں۔ لکھتے ہیں:

قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی ﷺ کے عہد میں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجا اور اس میں چند قیدی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت عورت بھی تھی جو حضرت سلمہ بن اکوع کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے باصرار اس کو حضرت سلمہ سے مانگ لیا اور پھر مکہ بھیج کر اس کے بدلے میں کئی مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔ (**مسلم، ابو داؤد، طحاوی، کتاب الاموال** لابی عبید، **طبقات** ابن سعد) حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قید کر لیا۔ اس کے کچھ مدت بعد ثقیف کے حلیف قبیلے، بنی عقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے ان دونوں مسلمانوں کو رہا کرالیا۔ (**مسلم، ترمذی، مسند احمد**) فقہا میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تبادلہ اسیر ان کو جائز رکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہیے، مگر دوسرا قول بھی ان کا یہی ہے کہ تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔[۴۴] البتہ اس امر پر اختلاف ہے کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے، اسے

۴۳- بدر کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیدیوں سے فدیہ لینے کی تجویز دی تھی جس پر عتاب نازل ہوا۔ دورِ صدیقی میں روم کے دو قیدیوں کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حکم بن عمر الغفاری رضی اللہ عنہ کو لکھا؛ اگر تمھیں ان کے بدلے سونے کے شہر بھی دے دیے جائیں، اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان کو قتل کر دو۔ امام سرخسی کہتے ہیں کہ اس کی بنیادی وجہ یہ عتاب ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ آسمان سے عذاب نازل ہو جاتا تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچتا، اس لیے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ راے اختیار کی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امام سرخسی کے مطابق فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے من اور فدا کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن جب فدیہ لینے میں امام مسلمانوں کا نفع دیکھے تو لینا جائز ہے۔ (سرخسی، **کتاب المبسوط**، ۱۰: ۱۳۸-۳۹۔)

۴۴- ڈاکٹر محمد مشتاق احمد کی تحقیق کے مطابق مفاداۃ بالمال کے بارے میں امام شیبانی نے متن میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا، بلکہ امام سرخسی نے صراحتاً اسے امام ابو حنیفہ کی **أظهر الروايتين** کہا ہے۔ (مشتاق احمد، **جہاد مزاحمت اور بغاوت**، ۴۸۲)؛ نیز امام طحاوی نے بھی اسی کو امام ابو حنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ دیکھیے: ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبد الملک بن سلامہ الازدی الحجری المصری الطحاوی الحنفی، **شرح معاني الآثار** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۷ء) باب الفداء، ۳: ۲۶۱-۶۲۔

تبادلے میں کفار کے حوالے نہ کیا جائے۔[۴۵]

ما كان لنبي أن يكون له أسرى کی تاویل

اس آیت کی تفسیر میں عام طور پر لوگ الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا مودودی نے اس کی جو تاویل کی ہے وہی درست معلوم ہوتی ہے۔ مولانا کے نزدیک سورت محمد کی ابتدائی ہدایات غزوۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی تھیں، اسیرانِ جنگ کے متعلق حکم بھی انھی میں شامل تھا۔ چناں چہ اسیرانِ جنگ کے حوالے سے من اور فدا کا حکم پہلے سے موجود تھا، لیکن اللہ نے یہ تاکید فرمائی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دو۔ عام تاثر یہ ہے کہ اس آیت میں عتاب فدیہ کی حصولی پر ہے۔ تاہم عتاب فدیہ کی حصولی پر نہیں بلکہ اثخان فی الارض میں کوتاہی برتنے پر ہے۔ اللہ تعالی نے اس کوتاہی پر عتاب نازل فرمایا کہ اگر اللہ کا نوشتہ[۴۶] پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو اس فعل کی تمھیں بڑی سزا دی جاتی۔ اس پر مولانا لکھتے ہیں:

میں اس رائے پر پہنچ چکا تھا کہ امام جصاص کی کتاب "**احکام القرآن**"[۴۷] میں یہ دیکھ کر مزید اطمینان حاصل ہوا کہ امام موصوف بھی اسی تاویل کو کم از کم قابلِ لحاظ ضرور قرار دیتے ہیں۔ پھر سیرت ابن ہشام میں یہ روایت نظر سے گزری کہ جس وقت مجاہدینِ اسلام مالِ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگے ہوئے تھے، نبی ﷺ نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار ہیں۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "اے سعد! معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی یہ کارروائی تمھیں پسند نہیں آ رہی۔" انھوں نے فرمایا: جی ہاں، یارسول اللہ! یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ شرک کو شکست دلوائی، اس موقع پر انھیں قیدی بنا کر ان کی جانیں بچا لینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا۔[۴۸]

نتائج بحث

۱۔ اسیرانِ جنگ کے متعلق بنیادی قاعدہ ہے کہ ان کا معاملہ حکمِ حاکم پر منحصر ہے۔ حاکم مسلمانوں کے

۴۵۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ۵: ۱۸۔

۴۶۔ "نوشتہ" سے مراد تقدیر الٰہی نہیں ہے کہ امت محمدیہ کے لیے غنیمت حلال کر دی جائے گی اور فدیہ بھی غنیمت کا حصہ ہے بلکہ اس سے مراد سورت محمد میں نازل شدہ حکم ہے کہ فدیہ لینا جائز ہے۔

۴۷۔ ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصّاص، **أحكام القرآن**، باب الأساری، (بیروت: دار إحياء الكتب العربية- مؤسسة التاريخ العربي، ۱۹۹۲ء)، ۴: ۲۵۹-۶۰۔

۴۸۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ۲: ۱۶۰-۶۱۔

اجتماعی مفاد میں جو بھی فیصلہ بہتر سمجھے، اسی کو نافذ کرنے کا مجاز ہے۔ حاکم چاہے تو قیدی کو قتل کرے، غلام بنائے، فدیہ لے کر چھوڑ دے، بغیر فدیے کے چھوڑ دے، لیکن اس اصول کو پیشِ نظر رکھے گا کہ مسلمانوں کا فائدہ کس میں ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے بالعموم قیدیوں کے قتل سے اجتناب کیا ہے، اس لیے اس کو حد قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ سیاسہ میں آتا ہے جو حکم ران کا اختیار ہے۔

۳۔ مولانا مودودی نے یہ قاعدہ مانا ہوا ہے کہ اسیر انِ جنگ کا معاملہ حکمِ حاکم ہی پر منحصر ہے۔ چناں چہ آپ کی جانب قتلِ اسیر کی ممانعت کی نسبت علی الاطلاق غلط ہے۔

۴۔ قتلِ اسیر اسلامی کا قانون منسوخ یا اسلامی شریعت سے غیر ثابت شدہ نہیں بلکہ اسلامی قانون ہی کا حصّہ ہے جس پر ہر دور میں خاص حالات میں عمل کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ معاملہ اسیر صرف سورت محمد کی آیت پر منحصر کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کیا ہے وہی درست ہے۔ آپ ﷺ نے بہت کم مواقع پر اسیروں کو قتل کروایا ہے؛ لیکن قانونی جواز کے لیے ایک نظیر بھی کافی ہوتی ہے۔

۶۔ اسی طرح غلامی بھی اسلامی قانون کا حصّہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور اہلِ بیت نے غلام رکھے ہیں ان سب کا عمل قرآن ہی کے مطابق تھا۔

۷۔ اسلام نے غلامی کی تمام شکلیں موقوف کرکے صرف اسیر انِ جنگ کو غلام بنانے کو جاری رکھا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر جنگ میں مسلمان قیدی بن جائے اور دشمن تبادلہ پر راضی نہ ہو، تو قیدیوں کو رکھنے کی جو صورتیں دنیا میں رائج رہی ہیں، ان میں سب سے زیادہ مناسب غلامی ہے۔

۸۔ مفاداۃ بالمال اور مفاداۃ بالنفس بھی ازروے شریعت جائز ہے، اس کے لیے وہی قاعدہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ معاملہ اسیر حاکم کا اختیار ہے اور یہ دونوں بھی اس کے تحت آتے ہیں۔

۹۔ مضمون میں مولانا مودودی کی پیش کی گئی آرا میں کوئی بھی رائے فقہاے کرام کی آرا سے نہیں ٹکراتی۔

۱۰۔ اسیر انِ جنگ کے قانون میں مولانا مودودی کی پوزیشن تقریباً وہی ہے جو فقہ حنفی کی ہے۔